باب 17

طنز و مزاح کی روایت

13085CH17

طنز و مزاح کو تخلیقی ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ دونوں کی علاحدہ حیثیت ہے لیکن ان میں بعض باتیں مشترک ہیں اس لیے ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہوتا ہے۔

طنز ایک ایسا طرزِ اظہار ہے جس میں زندگی کے تضادات اور ناہمواریوں کو تیکھے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ طنز میں ایک طرح کی نشتریت ہوتی ہے۔ وہ برائیاں جو معاشرے میں پائی جاتی ہیں اور جنھیں لوگ روزمرّہ کا حصّہ تصور کر کے نظرانداز کر دیتے ہیں، طنز نگار اُن کو بڑے سلیقے سے بیان کر کے سماج کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح طنز نگار کا ایک مقصد معاشرہ کی اصلاح بھی ہوتا ہے۔

طنز ایک مشکل فن ہے۔ اس کا مقصد دل آزاری نہیں بلکہ اصلاح ہے۔ طنز کو خوشگوار بنانے کے لیے اکثر ادیبوں نے مزاح سے بھی کام لیا ہے۔ سماجی برائیوں اور انسانی کمزوریوں کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کا نام مزاح ہے۔ خالص مزاح میں برہمی یا تلخی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مزاح نگار کبھی حالات کو اور کبھی خود کو نشانہ بناتا ہے۔

شاعری:

اردو شاعری میں طنز و مزاح کی روایت قدیم ہے۔ پہلا طنز و مزاح نگار شاعر جعفر زٹلّی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ سترھویں صدی کے اواخر اور اٹھارھویں صدی کے اوائل میں انھوں نے اردو شاعری میں طنز و مزاح کی بنیاد ڈالی۔ جعفر زٹلّی نے اپنے دور کی معاشی بدحالی اور حکمرانوں کی زیادتی پر مؤثر اور طنز آمیز اشعار لکھے۔

زٹلّی (1659-1713) : جعفر زٹلّی ذہین، تنک مزاج اور حاضر جواب انسان تھے۔ ان کی زبان میں بڑی کاٹ تھی۔ انھوں نے نہ صرف مزاحیہ اشعار کہے بلکہ اس میں طنز کو بھی شامل کیا۔

گیا اخلاص عالم سے عجب یہ دور آیا ہے	ڈرے سب خلق ظالم سے عجب یہ دور آیا ہے
نہ یاروں میں رہی یاری نہ بھائیوں میں وفاداری	محبت اٹھ گئی ساری عجب یہ دور آیا ہے
نہ بولے راستی کوئی، عمر سب جھوٹ میں کھوئی	اتاری شرم کی لوئی، عجب یہ دور آیا ہے

جعفر زٹلی کی مشہور نظموں میں 'بھوت نامہ' اور 'کھوا نامہ' شامل ہیں۔ یہ نظمیں نہایت دلچسپ اور یادگار تصور کی جاتی ہیں۔

سوؔدا (1706/07-1780/81) : اردو طنز و مزاح کی تاریخ میں مرزا محمد رفیع سوؔدا کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ سوؔدا نے ہجویات کے ذریعے اپنے دور کے معاشرے کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ 'تضحیکِ روزگار' اس کی روشن مثال ہے۔ ان کی زیادہ ہجویں افراد سے تعلق رکھتی ہیں۔ کچھ ایسی بھی نظمیں ہیں جو انحطاطِ زمانہ اور سماجی ابتری سے متعلق ہیں۔ سودا کی طنزیہ و ہجویہ شاعری میں ان کے عہد کی تصویر نظر آتی ہے۔ انھوں نے فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ مقامی بولیوں کے خوبصورت لفظوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ سودا نے 'گھوڑے' اور 'ہاتھی' کے پردے میں اپنے عہد کی معاشی زبوں حالی اور خزانوں کی تہی دستی کا بڑا عبرت ناک نقشہ کھینچا ہے۔ 'ہاتھی' جو اپنے قوی ہیکل کی وجہ سے 'طاقت' کا علامیہ ہے۔ محمد شاہی دور میں کس طرح ضعف و ناتوانی کی علامت بن جاتا ہے۔ اس کے ایک پہلو کی تصویر سودا کچھ اس طرح کھینچتے ہیں:

ہوئی آقا پہ اس کے تنگ دستی کیا کرتا ہے اب وہ فاقہ مستی
بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال طناب سُست سے خیمے کا جوں حال
نمودار اس طرح اب استخواں ہے گویا ہر پسلی اُس کی نردبان ہے
نہ بیڑی ہے نہ کٹ بندھن نہ لنگڑا رکھے ہے ناتوانی اس کو جکڑا
ضعیفی نے کی اُس کی فربہی گم گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دُم

نظیر اکبرآبادی (1735/40-1830) : نظیر اکبرآبادی کی شاعری میں مزاح کے مقابلے میں طنز کا پہلو نمایاں ہے۔ وہ عوامی زندگی سے بہت قریب رہے۔ لوگوں کے دکھ درد اور انسانی رشتوں کے تقاضوں کو انھوں نے بہت قریب سے محسوس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کی شاعری میں انسانی رشتوں کی پامالی پر لطیف طنز ملتا ہے۔

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر دیتا ہے اپنی جان وہ اِک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر جس طرح کتّے لڑتے ہیں ایک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

اکبرالہ آبادی (1846-1921) : اکبرالہ آبادی اردوطنزومزاح کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ان کے طنزومزاح کا نشانہ اس عہد کا وہ تہذیبی بحران ہے جس نے مغربیت کے اثرات سے سماج میں ایک اتھل پتھل مچا رکھی تھی :

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں   کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ہوئے اس قدر مہذّب کبھی گھر کا منھ نہ دیکھا   کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جاکر

چلے ہیں شیخ کعبے کو ہم انگلستان دیکھیں گے   وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

ظریف لکھنوی (1870-1937) : ان کا نام سیّد مقبول حسین تھا۔وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔اودھ پنچ کے شعرا میں ظریف لکھنوی کا اہم مقام ہے۔انھیں منظرنگاری میں مہارت حاصل تھی۔انھوں نے انسانوں کی نفسیاتی کیفیت اور معاشرتی عدم توازن کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔'الیکشن'، 'مشاعرہ' اور 'کربلا کا سفرنامہ' ان کی مشہور نظمیں ہیں۔

سید محمد جعفری (1907-1976) : سید محمد جعفری کی پیدائش پہرسر، بھرت پور میں ہوئی اور انتقال کراچی میں ہوا۔انھوں نے اپنی طنزیہ ومزاحیہ شاعری میں سیاسی وسماجی ناہمواریوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔جعفری کا سب سے بڑا کمال کلاسیکی زبان کو ظریفانہ اسلوب عطا کرنا ہے۔انھوں نے تضمین کے ذریعے مزاح پیدا کیا ہے۔اس کے علاوہ جعفری کو پیروڈی کے فن پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ابسٹریکٹ آرٹ کے عنوان سے ان کی نظم کا ایک شعر ہے :

نقشِ محبوب مصور نے سجا رکھا تھا   میں نے دیکھا تو تپائی پہ گھڑا رکھا تھا

اقوام متّحدہ جیسی ذمّے دار تنظیم کی کارکردگی پر وہ اس طرح کی چوٹ کرتے ہیں:

یو این او کے پیٹ میں سارے جہاں کا درد ہے   وعدۂ فردا پہ ٹرخانے کے فن میں فرد ہے

'الیکشن'، 'کلرک'، 'سفارش'، 'کھڑا ڈنر'، 'وزیروں کی نماز' اور 'موڈرن آدمی نامہ' سید محمد جعفری کی بہترین پیروڈیاں ہیں۔

فرقت کاکوروی (1910/14-1973) : فرقت کاکوروی کا نام غلام احمد تھا۔ان کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ان کے طنزومزاح میں سنجیدگی کا عنصر کم ہے۔انھوں نے جدید شاعری، خاص طور پر آزاد نظم کا مذاق اڑایا ہے۔ان کا شعری مجموعہ 'ناروا' ہے، جو انھوں نے ن۔م۔راشد کے پہلے شعری مجموعے 'ماورا' کے جواب میں لکھا تھا۔انھوں نے چند موضوعاتی نظمیں بھی لکھی ہیں۔لیکن مجموعی طور پر وہ پیروڈی نگار کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ان پیروڈیوں میں لفظ ومعنی کی بے ربطی اور فنی بے راہ روی کو نشانہ بنایا ہے۔شاعری پر طنز کی مثال ان کا شعری مجموعہ ''قدمچے'' ہے۔

سید ضمیر جعفری (1999-1916) : سید ضمیر جعفری نے طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے ذریعے سماجی زندگی کے تضادات کو پیش کیا ہے۔ ان کے یہاں طنز کے مقابلے میں مزاح کا عنصر غالب ہے۔ انھوں نے بعض طنزیہ موضوعات کو بھی اس طرح بیان کیا ہے کہ مزاح کا لطف دیتے ہیں۔ ان کی مزاحیہ غزلوں میں شوخی اور شگفتگی کا رجحان زیادہ نظر آتا ہے۔ ان کی کتاب 'مافی الضمیر' اور 'ولایتی زعفران' شائع ہو چکی ہیں۔

دلاور فگار (1991-1928) : دلاور فگار بدایوں کے رہنے والے تھے۔ عمر کے آخری دور میں وہ پاکستان چلے گئے تھے۔ ان کا انتقال کراچی میں ہوا۔ ان کے موضوعات میں رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ زندگی کے ہر پہلو پر دلاور فگار نے طنز کیا ہے۔ انھوں نے اکثر اپنے قطعات اور منظومات میں اخبار کی خبروں کو موضوع بنایا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے تحریف و تضمین اور انگریزی الفاظ کی پیوند کاری سے بھی خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

شاعروں نے رات بھر بستی میں واویلا کیا ۔۔۔ داد کے ہنگامے سے سارا محلّہ ڈر گیا
اک ضعیفہ اپنے بیٹے سے یہ بولی اگلے روز ۔۔۔ رات کیسا شور تھا کیا کوئی شاعر مر گیا

لوگ دل دیتے ہیں بیٹی اور بیٹا دیکھ کر ۔۔۔ میں یہ شادی کر رہا ہوں ''بایوڈیٹا'' دیکھ کر

رضا نقوی واہی (2002-1939) : رضا نقوی واہی امروہہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن ان کی عمر کا بڑا حصّہ پٹنہ میں گزارا، وہیں ان کا انتقال ہوا۔ آزادی کے بعد کے مزاح نگار شعرا میں ان کا نمایاں مقام ہے۔ انھوں نے طنز اور مزاح دونوں میں یکساں طور پر اپنی ظرافت اور تخلیقی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات میں سیاست، سماج، نظامِ تعلیم، شاعری، ادب، مذہب اور خانگی امور شامل ہیں۔ انھوں نے اپنی پیروڈی میں انگریزی الفاظ کا استعمال بھی بہت خوبصورتی سے کیا ہے۔ وہ تضمین کے فن پر اچھی گرفت رکھتے ہیں۔ ان کی ایک مشہور نظم 'پی۔ ایچ۔ ڈی' کے عنوان سے ہے۔ ان کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

واہی نے نظیر اکبرآبادی کی مشہور نظم 'آدمی نامہ' کی پیروڈی 'پروفیسر نامہ' کے عنوان سے پیش کی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ کیجیے:

وہ بھی کہ جس کے علم کی پُونجی قلیل ہے ۔۔۔ وہ بھی جو راہِ علم میں اک سنگِ میل ہے
وہ بھی ہے لکچرر جو ادیبِ جمیل ہے ۔۔۔ وہ بھی ہے لکچرر کہ جو خانِ خلیل ہے
جو اس کی فاختہ ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

اس عہد کے شعرا میں احمق پھپھوندوی (مصطفیٰ خاں مدّاح)، شوقؔ بہرائچی، راجہ مہدی علی خان، رئیسؔ امروہوی، شوکت تھانوی، ہلالؔ رضوی، سگارؔ لکھنوی، ظریفؔ جبلپوری، گرؔبڑ حیدرآبادی، بوگسؔ حیدرآبادی، مسٹرؔ دہلوی، ناظمؔ انصاری، ساغرؔ خیامی وغیرہ شامل ہیں۔ ان شعرا نے سیاست کی منافقت، قوم کے رہنماؤں کے منفی کردار، بین الاقوامی سیاسی صورت حال، نظامِ تعلیم کی خرابیاں، معاشی بدحالی، بے روزگاری، روزمرہ کی ضروریات، سڑکوں کی حالتِ زار، شادی بیاہ کے مسائل، بکھرتے ہوئے خاندانی نظام، ادب کی بے مقصدیت، اساتذہ، طلباء اور علمی اداروں کی زبوں حالی، مذہبی و خانگی مسائل، غرض مختلف موضوعات پر عمدہ نظمیں کہی ہیں۔

نثر میں طنز و مزاح کی روایت:

اردو نثر میں طنز و مزاح کے ابتدائی نقوش اردو داستانوں میں ملتے ہیں۔ اس کے بعد غالب کی تحریروں سے طنز و مزاح کی ایک نئی روایت کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ اکثر خوش کرنے والی باتیں لکھتے ہیں اور سنجیدہ باتوں کو بھی اپنے اندازِ بیان سے پُر لطف بنا دیتے ہیں۔ ان کے فنِ مزاح کی ایک خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اکثر خود کو تمسخر کا نشانہ بنایا ہے۔

اودھ پنچ کی خدمات:

غالب کے بعد نثر میں باقاعدہ مزاح نگاری کی مثال 'اودھ پنچ' میں ملتی ہے۔ منشی سجّاد حسین (1856-1915) کے اخبار 'اودھ پنچ' نے عوام میں طنز و مزاح کا ذوق عام کیا۔ اس اخبار نے متعدد اہم مزاح نگار پیدا کئے۔ ظرافت نگاروں میں رتن ناتھ سرشارؔ، مرزا مچھو بیگ ستم ظریفؔ، بابو جوالا پرشاد برقؔ، احمد علی شوقؔ، سجاد حسین، منشی احمد علی کسمنڈوی اور نواب سید محمد آزادؔ اہمیت کے حامل ہیں۔ اودھ پنچ میں شائع ہونے والی طنزیہ و مزاحیہ تحریروں میں اس عہد کی مکمل صورتِ حال دکھائی دیتی ہے۔ اس عہد کی تہذیبی کشمکش کے بیان کی وجہ سے ان کی تحریریں اپنے عہد کا مرقّع معلوم ہوتی ہیں۔

'اودھ پنچ' کے لکھنے والوں میں سرشار کی خاص اہمیت ہے۔ انھوں نے صحافتی مضامین کے علاوہ 'فسانۂ آزاد' بھی لکھا۔ جس میں لکھنؤ کی زوال پذیر تہذیب پر چبھتی ہوئی پھبتیاں اور طنزیہ نشتر آزمائے گئے۔ اس میں مزاح اور طنز کی آویزش سے ظرافت کے کئی رنگ بکھیرے گئے ہیں۔ اس کی نمایاں مثال فسانۂ آزاد کا لازوال کردار 'خوجی' ہے جو ایسے بے ساختہ جملے ادا کرتا ہے جن میں طنز کے ساتھ مزاح کی چاشنی بھی ہوتی ہے۔ خوجی کے بالمقابل آزاد بھی ان کا اہم کردار ہے۔ آزاد کے یہاں خوجی جیسا پھکڑ پن اور سوقیانہ لب و لہجہ نہیں بلکہ اس کے اندازِ گفتگو میں گہرا طنز ہوتا ہے۔ سرشار کے یہ دونوں کردار اس دور کے زوال آمادہ معاشرے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

بیسویں صدی میں طنز ومزاح:

بیسویں صدی میں طنز ومزاح کی روایت کو زیادہ فروغ ملا۔اس دور میں طنز ومزاح لکھنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سید محفوظ علی بدایونی، خواجہ حسن نظامی، سجاد حیدر یلدرم، قاضی عبدالغفار، امتیاز علی تاج، ملّا رموزی، شوکت تھانوی، عظیم بیگ چغتائی، مرزا فرحت اللہ بیگ، پطرس بخاری اور رشید احمد صدیقی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔اس عہد میں طنز ومزاح کے کئی نئے اسالیب بھی وجود میں آئے۔کئی نئے نئے پیرائے تخلیق ہوئے اور نئے نئے موضوعات پر طبع آزمائی کی گئی۔طنز ومزاح کا عنصر محض چند اصناف تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ مزاحیہ ناول، مزاحیہ افسانے اور مزاحیہ خاکے بھی لکھے گئے۔کئی سنجیدہ ادیبوں نے بھی طنز ومزاح کی طرف توجہ کی۔جس سے طنز ومزاح کے سرمائے میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور اس کا وقار بلند ہوا۔

فرحت اللہ بیگ (1883/84-1946/47): مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کی طبیعت میں شوخی اور چلبلا پن تھا۔ساتھ ہی قوم کا درد بھی تھا۔ان ملی جلی کیفیتوں کی وجہ سے ان کے یہاں شوخی اور سنجیدگی دونوں کا امتزاج ملتا ہے۔فرحت اللہ بیگ اپنی خوش مذاقی کے لیے شہرت رکھتے ہیں۔'پھول والوں کی سیر'، 'نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی' اور 'نئی اور پرانی تہذیب کی ٹکّر' ان کے مزاح پارے ہیں۔

مرزا فرحت اللہ بیگ سیدھے سادے خیالات کو ہنسی مذاق کے ساتھ بیان کرنے کا فن جانتے ہیں۔ان کی زبان دہلی کی ٹکسالی زبان ہے۔اس کی وجہ سے ان کی ظرافت نگاری اور بھی دلچسپ ہوگئی ہے۔

رشید احمد صدیقی (1892/96-1977): مزاح کو زیرِ لب تبسّم سے قہقہوں تک پہنچانے والے مزاح نگاروں میں ایک اہم نام رشید احمد صدیقی کا ہے۔ان کے طنز میں کہیں کہیں شِدّت تو پائی جاتی ہے مگر دل آزاری نہیں ہوتی۔زندگی کے ایسے معمولی معمولی واقعات جنھیں ہم غیر اہم سمجھ کر سرسری طور سے گزر جاتے ہیں، رشید احمد صدیقی انھیں میں مزاح کا پہلو تلاش کر لیتے ہیں۔

رشید احمد صدیقی کی تحریروں سے لطف اندوز ہونے کے لئے ادبی ذوق کا ہونا ضروری ہے۔تاریخ، تہذیب، سیاست، سائنس اور جدوجہدِ آزادی ان کے اہم موضوعات ہیں۔مختلف پیشہ ور افراد کی کوتاہیوں اور ان کی سرگرمیوں کو بھی انھوں نے طنز ومزاح کا موضوع بنایا ہے۔

رشید احمد صدیقی نے اپنی بعض تحریروں میں دیہاتی معاشرت، دیہاتی سادہ لوحی اور زبان سے مزاح کے پہلو کو بڑی خوبی سے ابھارا ہے۔'خنداں'، 'آشفتہ بیانی میری'، 'مضامینِ رشید' ان کی مزاحیہ تصانیف ہیں۔

عظیم بیگ چغتائی (1895-1941) : عظیم بیگ چغتائی کی پیدائش آگرہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ ان کے مزاح میں ان کا بچپن نمایاں ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین میں شور شرابہ، اچھل کود اور شرارتوں کی معصومانہ تصویرکشی کی ہے۔ 'شریر بیوی'، 'کولتار' اور 'خانم' وغیرہ تخلیقات میں ان کی ظرافت کے کئی پہلو موجود ہیں۔

ملّا رموزی (1896/99-1952) : اردو میں گلابی اردو کے موجد مُلّا رموزی ہیں۔ ان کا نام صدیق ارشاد تھا۔ وہ بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ثانوی تعلیم انھوں نے کانپور کے مدرسۂ الٰہیات میں حاصل کی۔ انھوں نے آزادی کی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ وہ انگریزی حکومت کے خلاف مزاحیہ مضامین لکھتے تھے۔ انھوں نے 'گلابی اردو' کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دی تھی۔ گلابی اردو کا طرز منفرد ہے۔ گلابی اردو میں جملے کی اردو ساخت فاعل+مفعول+فعل کے بجائے فعل+ فاعل+مفعول کی صورت میں لائی گئی ہے۔ یہ ترتیب عربی قاعدے کے مطابق ہے۔ اسے پڑھتے وقت انوکھاپن محسوس ہوتا ہے اور لبوں پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ ملّا رموزی نے اسی طرز میں کئی مضامین لکھے ہیں۔ ان کے مضامین میں ظرافت کے ساتھ طنز کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ انھوں نے گلابی اردو میں شاعری کی ہے جس کا مجموعہ 'گلابی شاعری' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

پطرس بخاری (1898-1958): ان کا نام سیّد احمد شاہ بخاری تھا۔ وہ پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پشاور ہی میں مکمل کرنے کے بعد انھوں نے لاہور سے انگریزی میں ایم۔ اے کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے پروفیسر ہوگئے۔ بعد میں آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہوگئے اور کئی بڑے عہدوں پر مامور رہے۔ 1955 میں انھیں اقوام متحدہ (U.N.O.) کے شعبۂ اطلاعات کا جنرل سکریٹری بنا دیا گیا تھا۔ نیویارک میں ان کی وفات ہوئی۔

پطرس نے اپنی تحریروں میں انگریزی ادب سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ انھوں نے واقعہ، کردار اور لفظوں کے الٹ پھیر سے مزاح پیدا کیا۔ ان کے مزاح کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو مزاح کا موضوع بناتے ہیں۔ ان کے مزاح میں طنز کا پہلو بھی چھپا ہوتا ہے لیکن اس میں تلخی نہیں ہوتی۔ پطرس نے بہت زیادہ نہیں لکھا لیکن انھوں نے جتنا بھی لکھا وہ اپنی جگہ مسلّم اور معیاری تحریریں ہیں۔ پطرس بخاری اردو مزاح نگاری میں ایک نئے اسلوب اور نئے طرز کے بانی بھی ہیں اور عہد ساز بھی۔ ان کے اسلوبِ مزاح نے کئی دوسرے مزاح نگاروں پر گہرے اثرات قائم کیے ہیں۔

واقعہ نگاری ہی پطرس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ ان کے مضامین 'مرید پور کا پیر'، 'مرحوم کی یاد میں' اور 'سویرے جو کل آنکھ میری کھلی' واقعہ نگاری کی دل چسپ مثال ہیں۔ 'کتّے'، 'سنیما کا عشق'، 'لاہور کا جغرافیہ'، 'ہاسٹل میں پڑھنا' اور 'میں ایک میاں ہوں' وغیرہ ان کی مشہور تحریریں ہیں۔

شوکت تھانوی (1963-1904/05) : ان کا نام محمد عمر اور ان کا آبائی وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر تھا۔ اسی مناسبت سے وہ تھانوی لکھتے تھے۔

شوکت تھانوی کو نثر و نظم دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ ان کے یہاں موضوعات کی رنگارنگی ملتی ہے۔ بنیادی طور پر وہ مزاح نگار تھے۔ طنز کے فن کو وہ کم ہی بروئے کار لاتے ہیں۔ ان کی مقبولیت میں ان کی صحافتی زبان کا خاصا حصّہ رہا ہے۔ ان تحریروں میں بے ساختگی اور بے تکلفی کا وہی انداز پایا جاتا ہے جس کا استعمال لوگ گفتگو کے دوران کرتے ہیں۔ شوکت تھانوی نے مزاحیہ خاکے، انشائیے اور ناول بھی لکھے ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ ''غم غلط'' کے عنوان سے منظرِ عام پر آیا۔ اس میں معاشرے اور سیاست پر کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ انھوں نے اپنی تضمینوں اور پیروڈیوں میں انگریزی الفاظ کا نہایت برجستہ استعمال کیا ہے۔

'موجِ تبسم'، 'بحرِ تبسم'، 'سیلابِ تبسم'، 'طوفانِ تبسم'، 'کارٹون'، 'جوڑ توڑ'، 'سودیشی ریل' اور 'سسرال' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ شوکت تھانوی نے ریڈیو ڈرامے اور خاکے بھی لکھے ہیں۔ 'شیش محل' ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔

کنھیّا لال کپور (1980-1910) : کنھیا لال کپور، ضلع لائل پور پنجاب میں پیدا ہوئے۔ لاہور سے انگریزی میں ایم۔ اے کیا۔ بعد میں مقامی کالج میں انگریزی کے استاد ہو گئے۔ تقسیمِ وطن کے بعد وہ ہندوستان چلے آئے اور یہاں بھی درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے۔ سبک دوشی کے بعد اپنے بیٹے کے پاس پونا منتقل ہو گئے۔ وہیں سے برسوں روزنامہ 'ہند سماچار' کے لیے مزاحیہ کالم لکھتے رہے۔ 1980 میں پونا ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

کنھیا لال کپور انتہائی ذہین اور طبّاع انسان تھے۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ ان کی مزاح نگاری میں پطرس کی ذہانت کی جھلک ملتی ہے۔ انگریزی ادب سے دونوں متاثر تھے۔ کنھیا لال کپور کے یہاں طنز کا وار بھی کاری ہوتا ہے۔ بظاہر ان کی تحریر سیدھی سادی معلوم ہوتی ہے، لیکن لفظوں کے پیچھے طنز و مزاح کی لہریں رواں دواں رہتی ہیں۔ ان کے موضوعات میں حیرت انگیز تنوّع ہے۔ وہ اکثر سماجی خرابیوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ شاعر ہو یا لیڈر، عورت ہو یا ایکٹر، ہر ایک کی بے راہ روی پر کنھیا لال کپور کی نظر پڑتی ہے، اور وہ ان کی حماقتوں کا مذاق اڑاتے ہیں، لیکن ادبیت کی شان ہر جگہ موجود ہے۔ انھوں نے غالبؔ کے کئی اشعار کی پیروڈی بھی کی ہے۔ ان کے

مضامین 'چینی شاعری'، 'غالب جدید شعرا کی مجلس میں'، 'برج بانو'، 'اہل زبان' اور 'کامریڈ شیخ چلّی' قابل ذکر ہیں۔ ان کی تحریریں اپنے مخصوص لب و لہجے اور منفرد اسلوب کے لیے مشہور ہیں۔

'سنگ وخشت'، 'چنگ ورباب'، 'نوک نشتر'، 'بال وپر'، 'شیشہ وتیشہ' اور 'کامریڈ شیخ چلی' ان کے مزاحیہ مضامین کے مجموعے ہیں۔

مشتاق احمد یوسفی (1923/25-2018): مشتاق احمد یوسفی کی پیدائش ٹونک، راجستھان میں ہوئی۔ وہ الفاظ کے انوکھے اور دل چسپ استعمال سے مزاح پیدا کرنے کے فن میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ بات سے بات پیدا کرنے کے علاوہ اشعار اور مصرعوں کے برمحل اور برجستہ استعمال سے ہنسنے ہنسانے کا سلیقہ بھی انھیں خوب آتا ہے۔ وہ اکثر وبیشتر سنجیدہ اشعار اور مصرعوں، کہاوتوں اور محاوروں میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے یا اپنی اصلی صورت میں ایسے سیاق وسباق کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ پڑھنے والا یک لخت ہنسی کا فوّارہ چھوڑ دیتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کا یہی عمل ان کے انشائیوں میں شگفتگی اور دل آویزی پیدا کرتا ہے۔ ان کی تحریر میں ایسی اپنائیت ہوتی ہے کہ قاری بلاتکلّف اُن کے قہقہوں میں شریک ہو جاتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی الفاظ کے مزاج داں ہیں۔ لہجے کے اُتار چڑھاؤ اور نزاکتوں سے خوب کام لیتے ہیں۔ 'چراغ تلے'، 'خاکم بدہن'، 'زرگزشت'، 'آبِ گم' ان کی مشہور مزاحیہ کتابیں ہیں۔

ابن انشا (1926-1978): ابنِ انشا کا نام شیر محمد خاں تھا۔ وہ ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ابنِ انشا اردو میں مزاحیہ سفرناموں کے بنیاد گزار ہیں۔ انھوں نے سفر کے تجربات اور غیر ملکوں میں مسافروں کے ساتھ ہونے والے واقعات کے بیان سے ہی مزاح پیدا کیا ہے۔ ان کے جملے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی بے ساختگی ہوتی ہے۔ ان کے طنز میں بلا کی شدّت ہوتی ہے لیکن ظرافت کی آمیزش سے وہ اسے خوشگوار بنا دیتے ہیں۔ 'اردو کی آخری کتاب'، 'خمارِ گندم'، 'ابن بطوطہ کے تعاقب میں' ان کی بعض مشہور کتابیں ہیں۔

مجتبیٰ حسین (پ- 1936): مجتبیٰ حسین کی پیدائش گلبرگہ میں ہوئی۔ موجودہ دور کے مزاح نگاروں میں مجتبیٰ حسین قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز روزنامہ سیاست میں مزاحیہ کالم نگاری سے کیا۔ ان کے مزاحیہ خاکوں کے تین مجموعے، دو مزاحیہ سفرنامے اور مزاحیہ مضامین کی کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ مجتبیٰ حسین نے زندگی اور اس کے مظاہر کو ایک عام آدمی کی نظر سے دیکھا ہے۔ ان کے مضامین زندگی کے تلخ وشیریں تجربات کا مرقع ہیں۔

اسی طرح مشفق خواجہ، کرنل محمد خاں، کرنل شفیق الرحمٰن، احمد جمال پاشا، یوسف ناظم، انجم مان پوری، محمد خالد اختر اور شفیقہ فرحت نے بھی گلستانِ ادب میں طنز ومزاح کے پھول کھلائے ہیں۔